© rasailojaraid.com

نظرات

جمیل مہدی

ہندوستان کی مسلم اور فکر و ذہن کے انداز پر اب تک کی سب سے زیادہ سچی بات مولانا حالی نے مسدس مدو جزر اسلام میں کہی تھی۔

حکومت تھی گویا کہ اک جھول تم پر
اُترتے ہی جس کے نکل آئے جوہر

اسی خیال کا اظہار ۱۸۵۷ء کی عام شورش کی ناکامی کے بعد نظم و نثر میں بہت سے موقعوں پر ہوا ہے لیکن اتنی صفائی، حقارت اور درد انگیز طور پر نہیں کیا گیا، مختلف تذکروں اور یادداشتوں، سوانح اور واقعات کے بیانات میں، وہ یہ تو کہتے ہیں کہ انتزاع سلطنت کے بعد حکومت کیا بدلی کہ زمین و آسمان بدل گئے، شرفا پامال اور محل کھنڈر بن گئے، اہلِ حرم پریشان اور مالکانِ گنجِ شاہانِ شبینہ کے محتاج ہو گئے —— دہلی کی تباہی کا جیسا مرثیہ شہر آشوب کے عنوان سے داغ نے لکھا، اور ان سے بھی پہلے جیسا ماتم میر نے کیا —— پھر غالب نے جس انداز سے دہلی کی تباہی کی داستان خطوں میں لکھی اسی طرح شرر اور دوسرے لوگوں نے جس طرح لکھنؤ کی تباہی پر نوحہ خوانی کی، یہاں تک کہ جان صاحب اور عیاں رنگین نے ان معاشرتی اور سماجی خرابیوں کا جس عبرت ناک طریقہ سے بیان کیا جو افلاس اور بے روزگاری کی وجہ سے لکھنؤ کے اعلیٰ طبقات میں پیدا ہو گئی تھیں، ان سب تاثرات

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے ذریعہ جو مجموعی تصویر بنتی ہے، وہ ایک طبقہ اور ایک قوم کی قابل رحم حالت کو تو اجاگر کرتی ہے لیکن اس کے سبب کو ایسی چابکدستی اور حکیمانہ انداز سے ظاہر نہیں کرتی جس کا اظہار حالی نے محض ایک شعر کے ذریعہ کر دیا ہے۔

حالی کے علاوہ جتنے بھی لوگ ہیں وہ خبر نہیں کہ تجھے کھا گئی نظر کس کی؟ اور بہشت و خلد سے بھی انتخاب تھی دلی — اور دلی کے نہ تھے کوچے اوراق مصور تھے — جیسے دلدوز مناظر کی تصویر کشی تو کر دیتے ہیں اس سے آگے کے حقائق سے آنکھیں چار کرنے کی ہمت نہیں کرتے، ان سب کے مرثیوں اور نوحوں کو پڑھ کر اس کے علاوہ کوئی تاثر نہیں ہوتا کہ انگریزوں نے انتہائی سنگدلی اور شقاوت کے ساتھ مسلمانوں پر ظلم ڈھائے، ہزاروں لوگوں کو قتل کر دیا، پھانسیوں پر چڑھا دیا، بارونق محلوں کو بارود سے اڑا کر زمین کے برابر کر دیا، نوابوں، جاگیرداروں اور زمینداروں کی املاک، زمینیں، سامان ضبط کر لیا، جس کی وجہ سے خاندان کے خاندان نانِ شبینہ کو ترسنے لگے اور گھر کے گھر بے چراغ ہو گئے اور ایک ایسی مصیبت سے ان کا سامنا ہوا کہ زمین آسمان بدل گئے۔

اودھ کی تاریخوں نے بھی انتزاع سلطنت کی وجہ سے واقع ہونے والی تبدیلی کو ایک ایسے بلڈوزر سے تشبیہ دی جس نے پرانی تہذیب، پرانی قدروں اور صدیوں سے جمی جمائی معاشرت کو جڑ سے اکھاڑ کر اس طرح نابید کیا کہ دیکھنے والے حیرت اور صدمہ کے ساتھ۔

اک مشت پر پڑے ہیں گلشن میں جائے بلبل

کے ذریعے اپنے تاثر کو ظاہر کرنے پر مجبور ہو گئے — یہ صرف مولانا حالی تھے جنہوں نے اس حقیقت کو محسوس کیا اور پوری بے رحمی کے ساتھ اس حقیقت کو ظاہر بھی کیا کہ پرانا نظام معاشرت صدیوں کی کہنگی اور زمانے کے شدائد سے اتنا خستہ اور کمزور ہو چکا تھا کہ اسے محض ایک دھکے کی ضرورت تھی، اور وہ پرانی تہذیب جس کا ماتم، اس کے باقی ماندہ سوگواروں نے کیا اتنی سڑگل چکی تھی کہ ملاپیہ کے ایک ہی جھونکے سے گر کر زمین بوس ہوئی اور نابود ہو گئی۔ وہ کہتے ہیں کہ دماغ پہلے ہی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ناکارہ اور دل پہلے ہی بے حس ہو گئے تھے، اور احساسِ زندگی پہلے ہی فنا ہو چکا تھا اور زندگی کی گرمی اور شعور زندگی پہلے ہی رخصت ہو چکی تھی، اور بیرونی چمک دمک کے پیچھے فنا اور زوال کے عناصر بہت پہلے اپنا کام کر کے فارغ ہو چکے تھے صرف ایک حکومت کا پردہ ایسا تھا جسکی وجہ سے دھاک جمی ہوئی تھی اور یہ حکومت ایسی جھول بن گئی تھی، جس نے ان سارے زخموں اور بدبودار ناسوروں کو ڈھک رکھا تھا جو اخلاقی خرابیوں اور سیاسی بے شعوری کی بدولت پیدا ہو کر رات کے پورے جسم کو لہو لہان کئے دے رہے تھے۔

حالی نے صدر الدین آزردہ کو بھی دیکھا تھا، مومن خاں مومن کو بھی، سر سید کو بھی اور ان مرزا غالب کو بھی جن کا سیاسی شعور سر سید سے بہت پہلے بیدار ہو چکا تھا، جنہوں نے مسلمانوں میں تعلیمی تحریک شروع کر کے، ان نشاۃ الثانیہ کا آغاز کیا، لیکن وہ آثار الصنادید کی تصنیف کے وقت مسلمانوں کی ماضی کی زرق برق کیفیتوں سے اتنے مسحور، اور عظمت رفتہ کے اتنے اسیر تھے کہ غالب کی تقریظ کو نہ صرف آثار الصنادید میں شامل کرنے پر تیار نہیں ہوئے بلکہ غالب کے

صاحبانِ انگلستان را بنگر

کے مشورہ سے اتنے ناراض ہوئے تھے کہ بہت دنوں تک ان کی طرف سے صرف اس وجہ سے مکدر کا شکار رہے تھے کہ انھوں نے 'آثار الصنادید' کی تصنیف کے جذبہ کو ہی سرے سے ناقابلِ التفات قرار دیکر انھیں مشورہ دیا تھا کہ وہ دہلی کے لال قلعہ کی طرف سے، جہاں زوال اور غروب کی پرچھائیاں ایک تاریک مقدر کی نشان دہی کر رہی تھیں، اپنا منھ پھیر کر کلکتہ کے فورٹ ولیم کی طرف کرلیں، جہاں سے غالب کو مستقبل کا سورج ابھرتا ہوا، صاف طور پر نظر آ رہا تھا۔

آثار الصنادید کی اس تقریظ میں، جو سر سید کی طرف سے مسترد کر لئے جانے کے بعد غالب کے آثا میں الگ سے شائع ہوئی، سر سید کو جتنے بھی مشورے دئے گئے تھے، وہ ۱۸۵۷ء کے بعد جبکہ غالب کی نگہ عمیق اور دوربینی کے خوفناک ترین مظاہر سر سید کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے پڑے، اُن کی باقی ماندہ زندگی، ان ہی مشوروں کو عملی جامہ پہنانے کی مجسم تصویر نظر آتی ہے۔

غالب عملی آدمی نہیں تھے لیکن ان کے صبر و ضبط کی قوت سر سید سے کہیں زیادہ تھی، اس لئے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جہاں ۱۸۵۷ء کے بعد کی بربادی نے سرسید کو خون کے آنسو رونے پر مجبور کیا، وہاں غالب کے قلم سے "شاہ جہاں آباد برباد ہو گیا — اور یہاں سے وہاں تک پھاوڑا چل رہا ہے —" کی تصویر کشی صدمہ کے اظہار کے ساتھ ایک ایسے دیدہ ور شخص کے تاثرات کا نقشہ پیش کرتی ہے، جس کے لئے یہ حالت غیر متوقع بالکل نہیں تھی — بلکہ ایک ایسی مکافات تھی جس کا اندازہ انھوں نے بیس سال پہلے کر لیا تھا، بلکہ سرسید کو بھی اپنے اس اندازہ میں شریک ہونے کا مشورہ دیا تھا اور اس مشورہ سے فائدہ اٹھانے کی طرف متوجہ کیا تھا۔

اسی کے ساتھ سرسید اور غالب کی شخصیتوں میں جو فرق تھا، ہمیں اس فرق کو بہر حال پیش نظر رکھنا چاہیئے۔ اور اس بات کو ماننا چاہیئے کہ اگرچہ غالب نگہ بلند اور سخن دلنواز رکھتے تھے لیکن جانِ پرسوز، صرف سرسید کے پاس تھی اسی لئے جہاں غالب نے آنے والے تاریک دنوں کا احساس کر کے صرف عصری شعور کے اظہار تک اپنے آپ کو محدود رکھا وہاں سرسید کے نزدیک، ہر چند کہ یہ صورت غیر متوقع طور پر ظاہر ہوئی تھی، لیکن وہ اس کے مقابلے کے لئے اور اسے بدل دینے کے لئے کھڑے ہو گئے۔ اور انھوں نے اپنی باقی ماندہ زندگی، قوم کو بھی اس نئی حالت کا احساس کرانے، اور اسے بدل دینے کی جد و جہد پر عمل کرانے میں گذاری — اور وہ اپنی اس جد و جہد میں اس حد تک کامیاب ہوئے کہ آخری عمر میں، انھوں نے اس قوم کو، مسلمانوں کے بارے میں اپنا نقطۂ نظر بدلنے پر مجبور کر دیا، جس نے آدھی صدی سے کم برسوں کی مدت سے پہلے نہ صرف ان کا بے دریغ خون بہایا تھا بلکہ اسے صفحۂ ہستی سے مٹا دینے کے عزم مصمم کو اپنے نظامِ حکومت اور مستقبل کی سیاسی حکمتِ عملیوں میں پہلے نمبر پر رکھا تھا۔

لیکن سرسید کے پاس وقت بہت کم تھا — (۱۸۷۵ء سے ۱۸۹۸ء تک) اس لئے وہ ان تمام زخموں بلکہ ناسوروں کا مداوا کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے، جو حکومت کی جھول، اترنے کے بعد قوم کے جسم پر ظاہر ہوئے تھے، اگرچہ انھوں نے ان کے اندمال کی کوشش دیوانہ وار، حد تک کی صرف

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

۲۳ برسوں کے اندر انھوں نے مسلمانوں کی انگریزوں کے ساتھ وحشت کم کی، اپنے قول سے باہر نکل کر حالات سے سمجھوتہ کرنے پر انھیں رضامند بھی کیا، ان تمام میدانوں کی طرف پوری قوت سے نشاندہی بھی کی، جو صنعتی انقلاب اور سائنس کی نت نئی ایجادوں سے اُفق در اُفق دنیا کے سامنے ظاہر ہوتے جا رہے تھے۔ انھوں نے مسلمانوں کو نہ صرف کام کی باتوں کی طرف متوجہ کیا بلکہ کام کی باتیں کہنے کا سلیقہ بھی سکھایا۔ نثر اور نظم کے مروجہ طریقوں کو بدلا۔ روایتی اوہام کے بتکدوں پر تیشے بھی چلائے ۔۔ لیکن سیکڑوں برسوں کی راسخ بُرائیوں، اور معاشرت و عقائد کی خرابیوں کے مکمل انسداد و استحصال کے لئے یقیناً یہ مہلت کم تھی۔ پھر یہ بھی ہوا کہ ان کے دیکھتے ہی دیکھتے تبدیلیوں کی رفتار اتنی تیز ہوگئی کہ ایک منظر پر نگاہ جمنے نہ پائی کہ دوسرا منظر سامنے آجاتا تھا ۔۔۔ اور رست و خیز کی یہ حالت جاری تھی کہ انھیں مالک حقیقی کا بُلاوا آگیا ۔۔۔ اور وہ مسلمانوں کو اس حالت میں چھوڑ کر اس دنیا سے چلے گئے تھے، کہ تعلیمی تحریک کے ایک میدان میں تو ان کی سرگرمیاں شروع ہوگئی تھیں اذہان و فکر کے سانچوں میں فیصلہ کن تبدیلی اس وقت تک نہ آپائی تھی، اور وہ

ایماں مجھے روکے ہے تو کھینچے ہے مجھے کُفر

کی ذہنی کشمکش سے پورے طور پر نجات نہ پاسکے تھے۔

اس وقت سے لیکر اب تک برِ صغیر کے مسلمانوں نے تبدیلیوں کے بے مثال ہلچلوں اور انقلابات کا سامنا کیا ہے، اور جوش و جذبہ، جرأت و ہمت، صبر و ایثار، سرفروشی اور جاں سپاری ضبط و تحمل اور مقاومت و مزاحمت کی بے شمار منزلیں طے کی ہیں۔ اور بعض ایسی آزمائشوں سے کامیابی کے ساتھ نکل آنے کی حیرت انگیز صلاحیتوں کا ی تاریخ کے صفحات پر رقم کیا ہے، جو انقلابات عالم کے زرّیں ابواب کا سرِ عنوان ۔ نتی ہیں لیکن اسی کے ساتھ وہ تدبر، دُور اندیشی، عصری شعور و آگہی سے محرومی اور جذبانیت اور متلون مزاجی کی خرابیوں کا اس درجہ شکار رہیں، کہ ان کی اجتماعیت کی اصل معنوں میں برقراری اور پائیداری

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اکثر اوقات خطرہ میں پڑتی رہتی ہے یہی وجہ ہے کہ وہ سرسید کی تعلیمی تحریک سمیت، گذشتہ ایک صدی کی تمام سیاسی، سماجی اور مذہبی تحریکوں کو سنبھالنے ان کی سمت، اور ان کی قوت کو قائم رکھنے میں یکسر ناکام رہے ہیں، آزادی کے بعد یہ بے سمتی اور بے جہتی، صلابت اور استقامت کی کمی، اور سیماب وشی اور تلون مزاجی کی یہ کیفیت زیادہ نمایاں ہو کر اس لئے سامنے آئی ہے کہ اپنے تحفظ، اپنے وجود کی بقا، عصر حاضر کے ساتھ ہمقدمی اور ملی اور قومی تعمیر و ترقی کی مختلف النوع ذمہ داریاں، بیک وقت ان کے سر پر آگئی ہیں، اور ان کا یہ تنہا ذہن ان مختلف النوع ذمہ داریوں کو پورا کرنے سے معذور رہا ہے۔

اس ساری بحث کا نتیجہ یہ نکلا کہ اصل چیز، ناکامیوں پر صدمہ، حالات سے مایوسی، اور اجتماعیت کی کمزوریوں اور خرابیوں کی شکایت نہیں بلکہ اجتماعی ذہن کو زیادہ سے زیادہ منطقی، عصر حاضر کے شعور اور اس کے تقاضوں سے زیادہ سے زیادہ ہم آہنگ بنانے کی ہے، نا پختہ ذہن کسی مسئلہ کو حل نہیں کرتا بلکہ مزید مسائل پیدا کرتا ہے۔ اس اہم نکتہ پر زیادہ سے زیادہ غور کر کے ہی وہ ذہن بنایا جا سکتا ہے جو حقائق کا مقابلہ کرنے کے علاوہ اجتماعی قوت کو صحیح مصرف میں لانے کی اصل ضرورت کو پورا کر سکے۔

سیرت پر ایک اہم کتاب

حضرت مولانا سعید احمد اکبرآبادیؒ کی آخری یادگار

حضرت عثمان ذوالنورینؓ

قیمت غیر مجلد -/42　　قیمت مجلد عمدہ ریگزین -/52

ندوۃ المصنفین - جامع مسجد دھلی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ایک اعلان

آپ حضرات کو انتہائی مجبوری اور شرمندگی کے ساتھ یہ اطلاع دیجاتی ہے کہ چند سالوں سے کاغذ کی بے پناہ گرانی اور طباعت کے دوسرے تمام مراحل کے تحت فیس سالانہ معاونین شعبہ مبلغ پچاس روپیہ الاختم کیا جاتا ہے، اسمیں بجائے پچاس روپے کے اضافہ کے ساتھ ۱۰۰ کر دیئے گئے ہیں۔ اور ۱۰۰ روپیہ والے شعبہ کو مبلغ دو سو روپیہ سالانہ میں منتقل کر دیا گیا ہے۔

اب سالِ رواں سے یہ سلسلہ ادارہ ندوۃ المصنفین کی جانب سے جاری کیا گیا ہے میں امید کرتا ہوں کہ آپ لوگ ادارہ کی بحرانی کیفیت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اس سے متفق ہوں گے اور اپنے حلقہ احباب میں ادارۂ ندوۃ المصنفین کے نئے ممبران بنانے کی سعی فرمائیں گے میں آپ کا بے حد ممنون و مشکور رہوں گا۔

عمید الرحمن عثمانی

منیجر ادارہ ندوۃ المصنفین۔ دہلی

© rasailojaraid.com